



إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
 ترجمہ: علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

مقامِ علم گھانے والے کے لئے تازیانہِ حیرت

رسالہ مبارکہ

موازنہ علم و کرامت

از رشحاتِ قلم

علامہ مخیر مسند نصیر الدین نصیر گیلانی

مجاہد عظیم آستانہ عالیہ نقشبندیہ مریہ گوانہ شریف

موازنہ علم و کرامت

علم کی اہمیت و فضیلت سے انکار ممکن نہیں۔ فضیلت علم پر بے شمار عقلی و قلبی دلائل موجود ہیں جو مختلف ادوار میں اعلیٰ علم پر حقیقی حضرات نے بصورتِ تصنیف و تالیف اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش کیے ہیں جن میں ایک شہر آفاق حدیثِ پیشو یہ فرمودات : اکابرین امت اور لوگ رشتہ و دانشوران طاغہ انسانی کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جس کا اعادہ یہاں ضروری نہیں و لفظ ایک انسانی فطری و اور لفظی پہلو سے ہم یہ بات قارئین کے ذہن میں کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص جو بوجہ خود تعلیم حاصل نہ کر سکے بوجہ اپنی اولاد اور خود تعلیم دلوانا ہے یا کم از کم دلوانا چاہتا ہے۔ چاہے اسے سکول بھیج کر دلوائے یا کسی مدرسہ میں۔ اس کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اہمیت و فضیلت و تسلیم کرتا ہے و نہ دلوانا و تو تعلیم دلوانے کی کوشش کیوں کرتا؟ گویا ایک وہ علم کی اہمیت و فضیلت کو تسلیم نہیں کرتا ہے اور وہی درجہ اپنی غفلت اور خردی پر پشیمان ان پڑھا جو اعلیٰ انسان جو خود بوجہ تعلیم سے آراستہ نہیں وہ کسی درجہ اپنی غفلت اور خردی پر پشیمان ہے اس لئے اب وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی اولاد بھی جہالت کے گھناؤنہ پاندہ جیسے میں وقت گزارے اور جو علم سے محرومی کی حالت میں زندگی کے سامنے لے۔ علم کی فضیلت پر یہ ایک ناقابل تردید دلیل ہے جس کا ہم انسانی معاشرے میں آئے دن بخشم خود مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

لیکن بعض مقامات پر فقیہات علم کی کئی سے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور اگر کوئی جانے ایسا کام نہ دیکھتا ہے تو باعث حیرت نہیں اس لیے کہ وہ خود اس دولت سے محروم ہے، مگر جب ایک مدعی علم جو معاشرے میں صاحب علم کی کہلاتا ہو، ایسی حرکت کرتا ہے تو عجب ہوتا ہے کہ لائق تعانی اور اس کے رسول کریمؐ نے جس چیز کو باعث فقیہات قرار دیا، اور اخراکِ علم والا خود اس کی تدبیر و

تجیر کے درپے کیوں ہے؟ اس موضوع پر مختلف اہل علم حضرات سے بات چیت ہوئی، حوزہ صاحبانِ علم دین کے سامنے یہ موضوع چٹا ہو جا رہا تھا۔ وہ نہیں اسباب و علل سامنے آئے، آخر بڑی سوچ بچار اور اکابر اُمت کی کتب کے مطالعہ سے اس کی چند وجوہات سامنے آئیں اور ان وجوہات کا تعلق خالصتاً نفسیاتی دینا ہے۔

یہ بات ہے کہ کوئی انسان اپنی تہذیب کو اپنا نہیں کرتا، بلکہ اپنے لیے تعریف و توصیف ہی پسند کرتا ہے جب تک وہ کسی معاملے میں دوسرے پر غالب یا کم از کم برابر رہتا ہے تو اسی وصف کو باعید عزت سمجھتا ہے اور اس وصف یا فن کی تحویلوں بیان کرتا رہتا ہے، مگر جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس وصف یا فن میں کوئی اور مجھ پر غالب آ رہا ہے تو اس میں مغلوب ہو رہا ہوں یا اس وصف کے باعث معاشرے میں اس کی عزت بڑھ رہی ہے اور میری عزت و شہرت زوال پڑ رہی ہوئی ہے تو پھر وہ اسی علم یا فن کی لوگوں میں تہتیس شروع کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی کم علمی یا اس فن کی محرومی کے عیب کو چھپا سکے۔ اس طرح وہ شخص جو اس علم یا فن میں فائق و غالب ہے، اس کے متعلق لوگوں کو یہ یاد کرانا ہے کہ جس علم یا فن میں فلاں شخص مہارت رکھتا ہے اس میں کوئی خاص فضیلت کی بات نہیں ہے، دوسرے فنون میں اسے طفلِ مسلم بھی کہا جاسکتا ہے، گویا وہ یہ عمل کر کے اپنے اندر کے بچے کو تسلیاں دیتا ہے تاکہ اس کا غلبہ دل مزید پریشانی کا شکار نہ ہو اور اسے رات کو چین سے نیند آجائے کرے۔

امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب تصنیف احیاء علوم الدین میں حسد و کینہ جب یاد کرو کر دیا ہے کہ اسباب میں انسان کے اس نفسیاتی خلل کا تعلق علمی جائز دینا ہے۔ گویا انسان صرف اپنی عزت و شہرت ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اپنے کسی عیب پر تہتیس کی فوجیت اور شہرت و کمال کا برداشت کرنا اس کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ ایسے عظیم لوگ جو ایسی قیمتی و درزی صفات سے مزین ہوتے ہیں ان کی تعداد ہر دور میں بہت ہی کم رہی ہے۔

اکابر محدثین و فقہاء و مفتیین، خطباء و شعراء اور دوسرے تمام علوم و فنون کے ماہرین تقریباً ہی صورتِ حال سے دوچار رہے اور ان کو اپنے دور میں ایسے حاسدین یا قسین سے سابقہ رہا

ہے۔ تاریخ کی اوراق گردانی سے بعض ایسے اخیرِ احوال واقعات سامنے آتے ہیں کہ انسان وسطِ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

ہم سری اپنی کسی کو کب گوارا ہو سکی
دل ہی دل میں آدمی سے آدمی جلتا رہا

مولانا جلال الدین رومی اور مولانا عبد الرحمن جامی کی علمی، ادبی اور روحانی عظمتوں کا ایک زمانہ معترف ہے، مگر ان کے بعض معاصرین نے نہ صرف ان پر کڑی تنقید کی، بلکہ ان کو عمرِ عمر تسلیم نہیں کیا اور ان سے منسوب علوم و فنون کی توہین و تحقیر بھی کرتے رہے۔ حالانکہ علوم و فنون کا اس میں کیا قصور تھا؟ بلکہ ان محمود شخصیات کی ان علوم و فنون میں مہارت ہی کے سبب حاسدین نے ان علوم و فنون کی افادیت و اہمیت سے بھی انکار کر دیا۔ مولانا جلال الدین رومی کو شہر کے مفتیوں، خطیبوں اور ہر اے نام مقبوں نے ہمیشہ نشانہ ملامت بنائے رکھا۔ عارفِ رومی کا قصور یہ تھا کہ جو کچھ وہ اپنی نگاہ اور مغزِ بیدار سے محسوس کرتے اور سمجھتے تھے، اُسے برملا لکھتے اور بیان کرتے تھے۔ یہی حال مولانا جامی کا تھا کہ انہیں ان کی روشن خیالی اور بیدار مغزی کی وجہ سے سبک ملامت کا نشانہ بننا پڑا۔

اے روشنی طبع تو بر من بلا خدی

ما را خراب کردی و خو۔ جتلا شدی

مگر تاریخ شاہد ہے کہ نہ وہ مفتی خود سے دانش سے باز آئے اور نہ رومی و جامی نے اپنا چلن بدلا۔ اگر یہ حضرات بھی ماحول کے ہر اچھے بُرے سے اتفاق کر لیتے اور سب کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تو شاید معاصرین ان سے یہ سلوک نہ کرتے مگر چونکہ وہ اُکی الطبع، سلیم الفطرت، ذوقین، جفیس اور تابذ روزگار نفوس تھے اور معاصرین کی اکثریت ان کے علمی و فنی مقام سے بہت نیچے تھی اسی لیے انہوں نے اپنی خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے علمی و فنی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ معاصرین کی ہرزہ سرائیاں اور یاد گوئیوں پر کان دھرنے کے بجائے ایسے ایسے علمی و ادبی شاہکار

چھوڑے کہ قیامت تک آنے والی نہیں ان کی علمی عفتوں کو سلام کرتی رہیں گی۔ بقول حافظ شیرازی

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سال با سجدہ صاحب نظران خواہد بود

مولانا روئی کی مثنوی جس کو ہر دور میں ادب باب فکر نظر اور صاحب ذوق و عرفان نے اپنے لیے فرشتہ راہ بنایا، کثیر تعداد میں شروحات لکھیں اور اس مقالہ کو کچھ پڑھتے مانتے ہوئے کہ..... مع بہت قرآن روز پانچ پہلوی..... صوفیائے کاشان نے اس کا درس یا قاعدگی سے دیا اور بطور دعا کاف اپنے مطالعہ میں رکھا مگر اس کے بھی بعض مندرجات اور حقیقتات پر معاصرین کے علاوہ آج تک مخالفین تصوف آئے دن ایک نایک کھڑا کر کے رکھتے ہیں اسی طرح کلیات چائی میں غزالیات اور بعض رہنمائیات و قطعات پر اعتراض کیے جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی حضرت روئی و چائی کی علمی و ادبی عظمتیں صرف اس لیے بے خروج نہیں ہو سکیں کہ انہوں نے اپنے خدا داد ذہن و رہنمائی کی ان بلند یوں پر جا کر کام کیا تھا، جہاں تک علم و ذہن، ہم عقل اور بے علم و نادین و عاصدین پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بقول مرزا بہلولؒ۔

سمر بے نیازی فکر را بہ بلند یے تر ساندہ ام

کہ بجز تفتیح فہم من اندے خیال زمیں کند

قرآن مجید جو شریعت کی اولین اصل مقام علم کا خداوند حق کا نجات کا مصدر و منبع ہے، جاہلیانہ فطرت علم پر شائبہ ناواقف ہے۔ پیامبر تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں حسن عمل یعنی اعمال صالحہ پر بھی زور پڑ گیا اور ایمان کے ساتھ اکثر مقامات پر معطوف کر کے اعمال صالحہ کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا، مگر پہلی بات تو یہ ہے کہ خود لفظ ایمان مع تفصیل و معانی کے علم کا منتفی ہے چلو علم بقدر ضرورت حق کی، لیکن بغیر علم کے تو مضمون ایمان ان کی بھی سمجھ نہیں آ سکتی اور دوسری بات یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے لیے بھی علم شرعی ضروری ہے، بلکہ علم کے بغیر عمل ممکن ہی نہیں اور اگر ہے تو بھی بے سود ہے۔ چنانچہ

درج ذیل آیات قرآنیہاں بات کا تائید فرما رہی ہیں۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

ترجمہ: فرمادیجئے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ قوله تعالیٰ وَتَسَاءِلُهُمُ الْآلَاءُ الْعَالِيُونَ۔ ترجمہ: ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں بھتا۔ قوله تعالیٰ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ ترجمہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ قوله تعالیٰ يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ ترجمہ: بلند کر دے گا اللہ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں تم میں سے اور ان لوگوں کو کہ دیئے گئے ہیں علم، مگر دے۔ قوله تعالیٰ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَلِيُّ الْعَلِيمُ قَاسِمًا بِالْقِسْطِ۔ ترجمہ: گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ میں نہیں کوئی معبود مگر وہ اور گواہی دی فرشتوں نے اور ادب باب علم نے حال یہ کہ اللہ قاسم ہے ساتھ انصاف کے۔ بطور نمونہ یہ چند آیات درج کی گئی ہیں ورنہ قرآن مجید میں شیوں آیات اسی موضوع پر موجود ہیں۔

دوسرے اصل شرع یعنی سنت و حدیث نبویؐ میں بھی فضیلت و اہمیت علم پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ علی شانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّمَا عَلِمْتُ اَحَبُّ كُلِّ عِلْمٍ یعنی میں علم والا ہوں اور ہر صاحب علم کو دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد نبویؐ ہے فضائل العالم علی العابد کفضل علی غلنی اور انکم ترجمہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سب سے ادنیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں دو مجلس مجلس اہل ذکر و مجلس تعلیم و تعلیم کے ملاحظہ فرمائے کے بعد ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلہ تعلیم والے گروہ کو ذکر کیا کہ ترجیح دی اور فرمایا کہ اِنَّمَا يُعْلِّمُ الْعُلَمَاءُ۔ میں یہ حقیقت و منصب تعلیمی محبوب ہوا ہوں۔ اس طرح گروہ اہل علم کو اپنے ساتھ شرف و شہادت بخشا اور ان کے پاس مجلسوں فرمایا نیز حدیث و اقوال مسطورہ و ارشادات صحابہؓ کو نظام بھی اس موضوع پر موجود ہیں مگر باوجود ان تمام تفصیلی دلائل اور بیان و

جنگ کے بعض جہاں کا خیال ہے کہ کرامت کا مقام علم سے زیادہ ہوتا ہے اُن کو اتنا مطمئن کر دیا کہ علم ہی شیعہ کرامات ہے۔ علم خود ایک ایسی بڑی کرامت ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری کرامت کی ضرورت ہی نہیں رہتی، کیونکہ کرامت، بحکم اِمرِ اور اِکرام کے معنی عزت و مرتبہ والا ہونا کسی کی عزت و احترام کرنا ہے اور مندرجہ بالا آیات و احادیث سے روئے روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے کہ عزت و کرامت عن اللہ و عن اللہ عز و جل سے حاصل ہوتی ہے۔ علم والوں ہی کے ہی ہم آگے چل کر کرامت کے معنی و مفہوم اور اس کی شرعی حیثیت پر یہ حاصل گفتگو کرتے ہیں لیکن نگہ انھوں نے بھی ذہن نشین کرانے دیتے ہیں کہ قرآن مجید کی جس آیت مقدسہ کو ثابت کرامت کے لیے پیش کیا جاتا ہے وہ کرامتِ علم و اہل علم ہی ہے۔ و قائل الذی عنده علم من الکتاب کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جس شخص نے دربارِ ربانی میں آنکھ بھینکنے سے پہلے تجلّی بخش لائے گا دعویٰ کیا تھا اس کے پاس بھی کتاب کا کچھ علم تھا یعنی اس کی اس کرامت کے صدور کا باعث بھی علم کتاب ہی تھا ورنہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما سکتا تھا کہ ایک شخص نے آنکھ بھینکنے کے عرصہ میں سخت لے آنے کا دعویٰ کیا اور اس کے وصفِ علم کا ذکر نہ فرماتا۔ تب یہ کہا جاسکتا تھا کہ سلیمان علیہ السلام میں موجودگی میں جس شخص نے سخت لے کر کہا وہ صرف ایک ماورِ زاولی تھا، جیسا کہ آج کل کے بعض جاہل، علم کو لایت کی شرط قرار نہ دیتے ہوئے ایک اُن پڑھ آدمی کو بھی ماورِ زاولی کہہ دیا کرتے ہیں، مگر یہ قطعاً خاندانِ زاد و اسرارِ مطلق ہے اور یہ لوگوں کو جسے بے وقوف بنانے والی بات ہے کہ ایک بے علم آدمی کو لوگوں کی توجہ اور عقیدت کا مرکز بنانے کے لیے ماورِ زاولی کی خود ساختہ اصطلاح سے حُرمتِ لفظِ جبروح کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کا فیصلہ فرمادیا کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے جس شخص نے سخت لے کر لے کر لے لیا اپنی خدمت پیش کی تھی وہ ایک عالم کتاب تھا تو اُن پڑھ شخص ماورِ زاولی کہلوانے والا نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کرامات کے صدور و ظہور کے لیے صاحبِ علم ہونا بھی ضروری ہے نیز یہ امر بھی اصحابِ تحقیق پر غنی نہیں کہ دربارِ سلیمان علیہ السلام میں تجلّی بخش لائے والے شخص کے متعلق مشہور قول ہے کہ وہ آپ کا وزیر آصف بن برخیا تھا یہ حتیٰ اور قطعی قول نہیں ہے، بلکہ کتبِ معتبرہ میں

دیگر اقوال بھی ہیں۔ چنانچہ شرح عقائد کی مہارت کاتبانِ صاحبِ سلیمان علیہ السلام و هو آصف بن برخیا علی الاشهر بعرض بلقیس قبل ارتداد الکفر مع بُعد المسافة اس امر صاف کے حاشیہ میں ہے۔ قوله و هو آصف بن برخیا لایح و وزیر سلیمان وقیل کاتبہ وکلن صدیقاً عالماً اسمہ اسطوم واما قال علی الاشهر لانه قبل انه الخضر علیہ السلام وقیل جبرئیل او ملک ائیدہ اللہ تعالیٰ بہ وقیل سلیمان نفسه ۱۲ کسکی۔ نیز اس کے حاشیہ پر مولانا بخاری نے یہی تحریر کرتے ہیں۔

هو وزیر سلیمان وقیل کان صدیقاً عالماً واسمہ اسطوم واما قال علی الاشهر لانه قبل الخضر وقیل سلیمان نفسه وکان آصف من بنی اسرائیل۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ آصف بن برخیا وزیر او الخضر او جبریل و ملک ائیدہ اللہ بہ او سلیمان نفسه۔ فیکون التعبیر عنه بذلك للدلالة علی شرف العلم وان هذه الکرامة کانت بسببه لایح

تفسیر روح البانی میں ہے۔ و اختلف فی تعیین هذا القائل فالجمهور منهم ابن عباس و یزید بن رومان واحسن علی انه آصف بن برخیا بن شعیب۔ کان وزیر سلیمان علی المشهور، و فی مجمع البیان آتہ وزیر و ابن آختہ و کان صدیقاً یعلم الاسم الاعظم وقیل کان کاتبہ و آخرج ابن ابی حاتم عن مجاہد آتہ رجل اسمہ اسطوم وقیل اسطورس۔ و آخرج هو ایضاً عن ابن لہیعہ آتہ الخضر علیہ السلام۔ و قال النخعی هو جبریل علیہ السلام و قیل هو ملک آخر ائید اللہ تعالیٰ بہ سلیمان علیہ السلام و قال الجبائی هو سلیمان نفسه علیہ السلام۔

تقریباً یہی اقوال عمیر کبیر لہام فخر الدین رازیؒ میں بھی موجود ہیں۔

مقادیر مذکورہ بالا عبارات کے نقل کرنے کا یہاں ہے کہ مجلس سلیمانیہ میں وہ حاضر شخص جو بھی تھا عالم کتاب تھا کیونکہ لفظ **مَدَنِيًّا** مراحات کر رہا ہے تو ہمارا موقف واضح ہو گیا۔ مدد و کرامت کسی صاحبِ علم سے ہی ہوتا ہے اور علامہ بیضاویؒ نے تو مراحہ فرمادیا کہ یہ بات شرفِ علم کے اظہار کے لیے حتیٰ الامور فرمائی۔ نے بھی اپنی کتاب **مَدَنِيَّةِ اَہْلَم** کے پہلے باب میں یہی فرمایا کہ "اس میں؟ اس بات کی حسیہ۔ ہے کہ وہ علم کے زور پر فخر لانے پر قادر ہوا" اگر کچھ دیر کے لیے ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ علم کے بغیر بھی کرامات کا ظہور ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ کرامت کے ظہور کے لیے مزید اضافہ صاف تصدوف کے مطابق غوث، قطب یا ابدال ہی نام بھی ضروری ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس سے کرامت ظاہر ہوگی وہ ضرور غوث، قطب یا کم از کم ولی ہوگا مگر مقامِ غوث ہے کہ تصدوف کے ایک بہت بڑے شعبے میں اس بات کا بھی فیصلہ کر دیا جن سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مادرِ زاد ولی تھے۔ مگر انہوں نے کسی بھی جگہ اپنی ولایت و قطیعت کا سبب شخصِ ملینِ مادر سے اپنے ولی پیدا ہونے کو قرار نہیں دیا، بلکہ صاف الفاظ میں اپنی قطیعت کا وہ صاحبِ حصولِ علم کو قرار دیتے ہوئے فرمایا.....

درست الجلم حقی صرت قطباً

یعنی میں نے اتنا بڑھا کہ پڑھتے پڑھتے قطبِ وقت بن گیا اور بحرِ لطف کی بات یہ ہے کہ اس مصرع میں حضرت جبرائیلؑ نے صرف حصولِ علم پر زور دیا نہیں فرمایا کہ میں نے اتنا عمل کیا کہ عمل کرتے کرتے قطبِ وقت بن گیا، حالانکہ ان کی ساری زندگی علم و عمل کا حسین امتزاج رہی مگر یہاں صرف علم کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود تھا۔

حضرت جبرائیلؑ سے حقیقت کا دعویٰ دیکھنے اور ان کے نام پر کھانے اور عزت پانے والے یہ بتائیں کہ کیا علم کے بغیر کوئی شخص قطب یا مادرِ زاد ولی بن سکتا ہے؟ اگر جبرائیلؑ یہی بات نکلتا تھا عرصہ دراز تک علم حاصل کرتے کرتے کہیں جا کر قطب و فتا ہے تو اس سے بڑھ کر کیا کون ناخدا روزگار اور مافوق الفطرت انسان اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے یا کوئی کسی کے لیے یہ کہہ سکتا ہے کہ لقا شخصِ علم کے بغیر قطبِ وقت یا مادرِ زاد ولی نہیں ہے۔ یا تو جبرائیلؑ کے اس مندرجہ بالا مصرع

شعر کو قصیدہ غوثیہ سے یہ کہہ کر خارج کرنا پڑے گا کہ یہ الہامی شعر ہے یا حضرت صاحبِ عالم شکر میں ایسا کہہ گئے یا پھر ان کی بیان کردہ اس حقیقت کو یہ طور قصیدہ تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ جب دوسرے بہت سے معاملات میں بزرگوں کے اقوال و اشعار کو قصیدہ کے درجہ پر رکھا جاتا ہے تو ان کے بعض خلافِ طبیعت اشعار و اقوال کو تسلیم کرنے میں متامل سے کام لیں لیا جاتا ہے کیا یہ دو ہرادیہ اور دو خانہ طریح حسنِ عقیدت کہلانے کا یا منافقت؟

قارئین گرامی کو یہ طور پر یاد دہانی پاتا چلوں کہ حضرت جبرائیلؑ کے ان تمام مناجاتی اشعار اور وظائف و اورداد میں موجود نکلتا اور مواضع و ارشادات میں مرقوم الفاظ کو یہ نام نہاد غلامانِ غوث پاکؑ لائقِ توجہ اور قابلِ التفات ہی نہیں سمجھتے، جن میں خالص توحید کا درس دیا گیا ہے اور ہمہ جہتی ذاتی و صفاتی شریک کی زبردستی لی گئی ہے یا جن سے جبرائیلؑ کو وحی تو حید پرستی آشکار ہوتا ہے اور ان کا ایک بچا اور بکا ممکن موحہ نہ ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید کے لیے آپ کی تصانیف **فتح الازلی**، **توح القیوب** و **نجمہ موجود ہیں اور** **ہجۃ الاسرار** میں آپ کے فرامین و ارشادات بھی اس پر شاہدِ ناقل ہیں۔

یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جبرائیلؑ مادرِ زاد ولی تھے تو انہوں نے حصولِ علم کی خاطر بخیر (ایران) سے بغداد تک کا طویل ترسفر کیوں اختیار فرمایا تھا۔ اگر وہ پیدائشی ولی ہوں تو معاذ اللہ! میں اس بات پر ذرہ بھر بھی اعتراض نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حصولِ علم کا مقصد قربِ خداوندی ہوتا ہے اور قربِ خداوندی کو ہی ولایت کہتے ہیں کیوں کہ ولی کا معنی دوست کے ہیں اور دوست وہی ہوتا ہے جسے قرب بھی حاصل ہو۔ عدمِ قرب پر دال ہوتا ہے اور حصولِ قرب و جو دو ولایت (دستی) پر دلالت کرتا ہے جب پیدائشی طور پر آپ کو وہ منزل (منزلِ ولایت) مل گئی تو پھر اس چیز کے تحصیل کی کیا ضرورت تھی یا یہ کہ وہ اس چیز (علم) کو حاصل کرنے کی خاطر کیوں عمر بھر کوشاں رہے جس کے حصول کا شفا قربِ خداوندی ہوتا ہے؟ اصطلاحِ صوفیہ میں قربِ خداوندی ہی کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو جب پیدائشی طور پر انہیں منزلِ ولایت یعنی قرب

خداوندی حاصل ہی تھا تو پھر تحصیل علم کے لیے مختلف معوشیں اور تکفیس اُٹھانے کا کیا مقصد تھا؟ ایک حامل شدہ بچہ کو وہ بارہوا حاصل کرنا تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت جبران جبر کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں عین انسانی طور پر استعداد قرب اور جوہر کمال رکھا گیا تھا اور ان کا قلب اطرازل سے الوار ذات کا مرکز بننے کی صلاحیت لے کر بشری قالب میں ڈھلا تھا اگر یہ مقبوم لیا جائے تو بشمول حضرت جبران عتر کے کئی دوسری شخصیات پر بھی مادی اور زادی کے اطلاق کو درست مانا جاسکتا ہے، بصورت دیگر وہی اعترافات وارد ہوں گے جن کا وہ بڑا کرہ کر دیا گیا۔

اسی طرح آج کے کم علم لوگ یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ حضرت جبر مرہ علی شاہ مجمل کی وجہ سے مرزا قادیانی کے مقابلے میں نہیں لکھ سکے بلکہ کرامت کے زور پر سامنے آئے تھے۔ یہ فلسفہ بھی سراسر جہالت اور بے علمی پر مبنی ہے اور یہ بات کہنے والے لفظ کرامت کا صحیح تعلق بھی اور انہیں کر پاتے بلکہ کاف کو کھور پڑھتے ہوئے کرامت کہتے ہیں حالانکہ عربی اور فارسی کی صحیح لغات میں یہ لفظ مفتوح الکاف یعنی گزشتہ ہی آتا ہے۔ اس مذکورہ بالا خود ساختہ فلسفہ کا جواب ملا جلد ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علم بذات خود ایک بہت بڑی کرامت ہے، کیونکہ لفظ کرامت کے مفہوم معنی بھی اختصاص، امتیاز اور فضیلت کے ہیں۔ میرے پاس اس پر مضمون دلیل حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا وہ ارشاد ہے جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: اس آیت میں کہا گیا کہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور جبران پر دو حضرات نے اس (ولقد آتینا داؤد و سلیمان علما و قالوا الحمد لله الذی فضلنا علیٰ کلین من عبادہ المؤمنین) عطا کر دیا کہ علم کو اپنے لیے وجہ فضیلت و کرامت فرمایا نہ کہ اپنے کسی مجرہ کو۔ حالانکہ انہی حضرات سے مجرات کا صدور بھی ہوا مگر انہوں نے قابل ذکر چیز اپنے کسی مجرہ کو نہ سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم کو اپنے لیے وجہ کرامت و امتیاز گردانا۔ اس آیت سے واضح ہو کہ کسی بھی خرقی عادت کام کا صدور مجرہ کی صورت میں ہو یا کسی غیر نیما سے کرامت کی شکل میں ہو علم دونوں کے لیے قدر مشترک اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھول بالائیں فتنہ افلاں کو دیکھنا معنیٰ اس ایک ہی ہوئے یعنی تکفیل اور

تحریم کے الفاظ واحد المعنیٰ نظر رہے۔ لہذا میرا یہ کہنا کہ علم بذات خود سب سے بڑی فضیلت اور کرامت ہے جو لہذا آیت قرآنی کی رو سے بالکل صحیح غلط۔ بشرح مختصراً کے ساتھ ہے:

اعلم ان الکرامة اسم من التکریم والاكرام و جمعها الکرامات وهو الفعل خارق للعادة غیر مقرون بالتحدی وقد اعترف بها اهل السنة۔ گویا کرامت کا مفہوم یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب و صانع بندہ جب اپنا پرکار مرفاع الہی کے لیے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی ایک عزت ہوتی ہے لہذا جب کسی دوسری موقع پر اپنی زبان سے اسکی بات نکال بیٹھے جو عادتاً مشکل نظر آتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کی لاج رکھتے ہوئے اس بات کو سچا عادت کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اس صانع مرشد کا سر شکر سے تنگ جاتا ہے اور وہ بارگاہ موعی میں سر انجم و ذکر زبان جبر مرہ علی شاہ جبران عرض کرتا ہے۔

توئی کہ ذرہ صفت را بہ آسمان مودی

چہ گوئد شکر تو گوید کمینہ ، بندہ نواز!

نہ یہ کہ وہ اس پر اکرنا ہے اور نہ نیکیں مارتے ہوئے اس خارق عادت فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ جب کرامت کا مفہوم ہی وہ عزت و تحریم ہے جو اللہ تعالیٰ علیٰ شانہ کے ہاں بندے کو حاصل ہوتی ہے تو دراصل تقدیر (آیات و احادیث) کی روشنی میں سب سے بڑی عزت بندوں کے لیے اللہ کے ہاں علم والی ہے، جیسا کہ انہی کچھ پہلے بیان ہوا ہے۔ مزید یہ کہ یرفع الله الذین امنوا منکم والذین امنوا للعلم درجۃ ، اور خیار انتی علما ہا و خیار علما ، انا فقہاؤھا کے اشارے بھی کرامت (علیٰ علم) کو حاصل ہے، باقی سب چیزیں کو بعد میں اور حضرت جبر مرہ علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت اسی کرامت علمی کو حاصل ہے چنانچہ آپ کے سوانح حیات "منیر" کے صفحہ 577 پر

مندرجہ ذیل عنوان اور اس کے تحت مندرجہ چند فقرات ملاحظہ ہوں

علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ

”حضرتؒ کی دوسری عظیم الشان کرامت آپ کے علم بیکراں کی وہ خدا داد دولت تھی، جو ہمہ وقت جانویش دست بہت حاضر رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرف میں لے آتے جس کے ڈراپائے آبدار تصفیقات اور ملفوظات میں کچھ نہ نظر آتے تھے۔ ان طور پر فوراً ہمیں کلمہ حضرت گلزار دینی کی کرامت عظیمہ سے اور شاید کوئی کس فہم یہ کہے کہ لفظ ”دوسری“ سے پتا ہے کہ پہلے نمبر کی کرامت کوئی اور ہے اور شاید کرامت حسی جو ہرگز نہیں بلکہ یہ پہلا اور دوسرا نمبر دو الفاظ ”سمیر منیر“ نے افہام بخشی سمجھانے کے لیے دیا ہے یعنی یہ ترجیح استغناء ہی ہے ترجیح حقیقی اور ترجیح روحانی نہیں۔

مرزاے قادری کے مقالے میں بھی آپ کی اسی کرامت عظیمہ کا اظہار ہوا تھا اور ہوا ہی نہیں تھا بلکہ کرایا گیا تھا۔ چنانچہ ”سمیر منیر“ کے 203 نمبر پر مندرج یہ پیرا خصوصی توجہ سے پڑھیں۔ ملفوظات طبقات میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ عالم روزیہ میں آنحضرت ﷺ نے مجھے مرزاے قادری کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”یہ شخص میری احادیث کو نازل کی قبضی سے نکوز رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔“

اس اقتباس کو بغور پڑھنے سے یہ حقیقت متعرف ہوتی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے حضرت گلزار دینی کو حکم دیتے ہوئے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ آپ کی ذات میں موجود وصف علم کی بیاہر ہی تھے کیونکہ جو شخص علم حدیث میں مہارت جانتہ شریک تھا وہ وہی ایسے بے دین کو کام کب دے سکتا ہے جو احادیث کو نہ کتابیات کی قبضی سے نکوز رہا ہو۔ تا دلائل قاسدہ کا رد پیلج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس خود بھی علم حدیث شریف میں ماہر ہو احادیث کے متن اور سند پر محقق نظر رکھتا ہو۔ ہمارا چال اور طریق جبر و تعدیل پر بھی عبور رکھتا ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ رد کا دایہ ثابت کے لیے آپ کو علم کی کرامت عظیمہ کے سبب ہی سائنور کیا گیا تھا اور نہ وہ بار رسالت مآب ﷺ سے یہ حکم

اُس وقت کے کسی ذرا چمکنا یا خشک اور ان پڑھ صوفی بیک کو بھی دیا جاسکتا تھا۔ ذرا سوچیں کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب اس عظیم خدمت کلمے آپ کو منتخب ہی وصف علم کے سبب کیا گیا، اُسی لگی کر کے کہا جائے نہیں نہیں علم کی وجہ سے آپ کو یہ خدمت سپرد نہیں کی گئی تھی بلکہ شخص صاحب کرامت بزرگ ہونے کی وجہ سے یہ کام آپ سے لیا گیا۔ یا یہ کہ آپ ایک بار زرا دینی تھے اور اس فتنہ عظیمہ کی سرکوبی کے لیے ایک بار زرا دینی کا ہونا ضروری تھا۔ قارئین! حضرت پیر صاحب گلزار دینی کے بار زرا دینی ہونے کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن شخص خوش فہمی کی کیڑوں میں بہہ کر حقائق سے آنکھیں چرانا بھی کوئی مناسب بات نہیں! جب آپ اور زرا دینی تھے تو ایک ولی کے لیے ولی ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔ اُس کے لیے کیا ضروری ہے کہ وہ مغرب بعرب کی گردا میں یاد کرے جس ضیاع وقت کرے اور استادوں کے جوتے اٹھاتا پھرے گھر باریچوڑے، پیش و آرام کو خیر باد کہہ کر گاؤں کے خٹلوں اور گلیوں میں جا جا کر گلوے مانگے اور دوسرے عام طلبہ کی طرح زبانی گدائی لے کر ہر ایسے پھرے کے دروازے پر صدائیں لگاتا پھرے۔ مگر یہ سب نہ صرف حضرت گلزار دینی نے کیا بلکہ ہمارے اکابر اہل سنت انجی میرا زما مراحل سے گزرے اور اسے اپنے لیے اعزاز تصور کیا۔ کیونکہ اُس وقت آج کی معاشی و معنوی کا نام و نشان تک نہ تھا معلوم ہوا کہ حضرت گلزار دینی کے اہل ماجد بھی یہ سمجھتے تھے کہ کھل کسی عالی گرانے میں پیدا ہوا جائے سے انسانی عقلوں کی پند یوں کو نہیں چھو اھا سکتا بلکہ جہل شیخ حدیثی۔

پنے علم چوں شمع باید گداخت

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

کہ قوت مہر شاہ کو پیر مہر علی پشہ تک کے مراحل علم ہی کے ذریعے طے کرنا ہوں گے چنانچہ اپنے اس ذہین فرزند کو حصول علم کے لیے زور دیا ازہیروں میں بھیجا اور راہ دین میں اپنے اس لخت جگر کی ہدائی کو پروردگار قبول کیا۔ آخر محض نماز روزہ اور اوراد و تکلفا خروانی ہی سے مراد نیت پیچھے

میرزا ناصر کے سر ہو سکتے تو اس وقت موجود حضرت گلزئی کے بعض بزرگ افراد خاندان بھی سر کر لیتے۔ مگر سب نے دیکھا کہ یہ کام جو سیدنا والدین کیلئے کا صرف ایک جہاں سر انجام دے گا اور وہ بھی تو فیض الہی اور اپنے خداوندی علم و صلاحیت کے ثمر ہوئے۔

حضرت گلزئی نے جو مصائب و شدائد برداشت کرتے ہوئے علم حاصل کیا اور پھر علم و فضل کی جن بلند یوں تک پہنچے وہ ساری دنیا پر عیاں ہے۔ یہ شخص کرامت ہی نہ تھی بلکہ جو عالم الخروف۔

آسمان سے کوئی پوچھتے یہ تنک تاب ہلال
کن مراصل سے گزرتا ہے قمر ہونے تک

ماوراء وادایت کا جو مفہوم ہم اپر بیان کرتے ہیں اس اعتبار سے وہ ایک ایسے جوہر قابل کے مالک تھے کہ تائید از دی کیچین ہی سے ان کے ساتھ رہی۔ اس قسم کی مثالیں امت کے دیگر اکابر کے پاس بھی ملتی ہیں مگر یہ کہاں کسی جوہر قابل کو علم ظاہری کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، یہ سراسر غلط ہے۔ میرے دادا حضرت بابائی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے صرف اس بات پر ناز ہے کہ میرے والد ماجد علم و فضل میں یکجائے روزگار تھے اور ان کے دور میں علوم و فنون کے اعتبار سے ان کا کوئی ہمرنگ نہ تھا۔ حضرت بابائی گوشہ نشین بھی یہ کہتے تھے کہ میرے والد ماجد کرامات میں بے مثل تھے یا یہ کہ وہ ایک ماوراء وادلی یا عالمی نصب سید تھے۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کرامات و ولایت کے جوہر بھی رکھے تھے اور وہ زہد و تقویٰ اور بزرگوار نفس میں سرآزما بیت کا ہوں گے مگر ذکر انسانیت کے معنی مراتب پر فائز ہونے مگر جس چیز نے انہیں ان مراتب اعلیٰ پر فائز کیا وہ صرف علم و شریعت اور پھر اس پر عمل تھا جو اعلیٰ فضل کے نزدیک ہر کمال تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ شخص کرامات معروض کا مصداق نماز سب سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ مگر دینائے تصوف میں ایسے لوگ رشد و ہدایت کے قابل نہیں ہوا کرتے اور نہ ان کا کوئی قول و فعل نمود و چہیت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے بے شمار تہذیبوں اور نائنائے فقہیوں کے حالات میں پڑھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر

بعض ایسی ایسی کرامات معروف فی العوام کا صدور ہوا کہ انسانی عقل حیرت میں پڑ گئی کہ بظاہر ان کی تعلیم کچھ بھی نہیں ہوتی مگر جو کچھ دیتے ہیں وہ ہو کر رہتے ہیں۔ بالیں ہمارے نماز بکراہی طریقت ان ذی علم مشائخ کا درجہ بھی نہیں دیتے، جو جامع عقول و مقول ہونے کے ساتھ ساتھ دینائے شریعت و طریقت میں جہت کا درجہ رکھتے ہیں۔ کئی وجہ تھی کہ حضرت بابائی "مصحف منیر" میں حضرت گلزئی سے منسوب کرامات کا باب حذف کر دینے کا اصرار کرتے رہے۔ مگر آج کے بعض ذہین چونکہ علم سے بہت دور ہیں اس لیے وہ ایسے فقہوں اور کہانیوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسے انسان کے کمال ہونے کا معیار تصور کرتے ہیں۔ اکابر اولیاء کی تصانیف میں کرامات کو ایک عام عمل قرار دیا گیا اور اسے اثبات ولایت کے لیے دلیل محض نہیں کہا گیا بلکہ بعض اولیاء سے جب کرامت کا صدور ہوتا تھا تو وہ دُور سے دُور تھے کہ کہیں اس میں ہمارے لیے کوئی آفت نہ ہو کیونکہ بعض اوقات بطور عکس العمل بھی ایسا کر دیا جاتا ہے کہ بندہ گناہ کر رہا ہوتا ہے مگر اس کے ہاتھ پر خوارق کرامات کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے۔ تاکہ یہ ای میلٹ اور جیل میں خوش ہو کر مرے مگر ایوں کی دلدل میں دھنسا چلا جائے۔ اسی بات کو قاضی اہل عام کل فریادہ مصر و مدینہ مصر علیہ الشریف علی بن محمد الجرجانی نے "کتاب تعریضات" میں یوں بیان فرمایا ہے۔

(الکفر) من جانب الحق تعالیٰ هو ارداد النعم مع المخالفة و ابقاء الحال مع سوء الادب و اظهار الکرامات من غیر جلیل یعنی باوجود مخالفت احکام الہیہ کے مسئلہ نعمتوں کا ماننا سو ادب کے باوجود حال و کیفیت کا برقرار رہنا اور بغیر تہذیب و خشوع و محنت و سعی عمل کے بھی خوارق و کرامات کا ظہور، یہ بندے کے حق میں ایک کسر (خلیۃ تیر) بھی ہو سکتی ہے اور شاید اسی کو استدراج بھی کہتے ہیں جس کے معنی "انک انک نزدیک کر دینا عذاب" کے ہیں یعنی بے ایمان اور بے عمل بندے کو خوارق کے ظہور کے نشے میں مبتلا کر کے تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ عذاب کے قریب کر دیا جائے، یہاں تک کہ اس کے لیے واپسی کا راستہ بھی مسدود ہو جائے اور وہ واللہ خیر المکرمین کے ملبوم کا حرا پکھلے۔

آپ کو صوفی کی معتبر ترین کتب میں یہ عقولہ ملے گا الاستقامۃ فوق الکرامۃ شریعت معتبرہ پر استقامت، کرامت سے کہیں برتر وہاں ہے۔ کسی بزرگ کی ولایت کو پرکھنے یا اس کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لیے اس سے کثیر کرامات کا صدور کوئی ایسا پیمانہ نہیں جسے کتب تصوف میں معیار فضیلت و ولایت بنایا گیا ہو، بلکہ علم شریعت میں مہارت، عمل و کردار میں استقامت اور خدات و بیعت کو معیار قرار دیا گیا جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جو مقام و مرجع اور فضیلت و افضلیت رکھی گئی ہے وہ کثرت معجزات کے سبب نہیں بلکہ وہ کوئی اور چیز ہے۔ اسی لیے افضل الانبیاء و سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اس قدر معجزات کا ظہور نہیں ہوا جتنا دیگر انبیاء علیہم السلام سے ہوا، حالانکہ آپ کی فضیلت تمام انبیاء کے کرام پر مسلمہ ہے امام شرف الدین یوسفیؒ تصحیدہ بدرہ شریف میں یہی حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں۔

لَوْ نَاسَجَتْ قَدْرَهُ اَيَاتُهُ عَظَمًا

اَحْيٰى اَسْمُهُ جِئِن يَنْدِ عَنِ ذَاوِسَ الزَّمَعِ

اگر آپ کے مقام و مرتبہ حقیقی کی مناسبت سے آپ کی ذات گرامی سے معجزات و خوارق کا ظہور ضرور ہوتا تو قطعاً آپ کا نام پاک جیسے سے سمرندہ اور یوسید و ہڈیاں زندہ ہوجاتیں لیکن ان کے مقابل آپ کو ایسا داعی، اہل اور ذاتی مجرہ عطا کیا جس کی مثال کہیں کسی نبی کے پاس نہیں ملتی اور وہ فرآن مجید ہے۔ قرآن شریف حقائق و معارف اور علوم و حکم کا خزانہ ہے اس میں صرف خوارق و کرامات کے لئے نہیں، بلکہ یہ ذاتی و جانک ایک لمحہ کیسیا ہے۔

دیکھیں صحابہ و اہل بیتؑ سے زیادہ کون دلی ہو سکتا ہے مگر آپ ان کے حالات پر دیکھیں تو آپ کو ہر جگہ ان کی استقامت ہی استقامت نظر آئے گی۔ کرامت کا وہ ملبوم جو بعد ازلوں میں رائج ہوا صحابہ و اہل بیتؑ کے ہاں وہ آپ کو کہیں بھی نظر نہیں آئے گا۔ انہوں نے شریعت کے احکام پر کار

بندی اور استقامت ہی کو اپنا مقصد حیات بنانا وہ اس لیے کہ ان کو عین تعلیم و تہذیب قرآن مجید نے ان الفاظ میں دی اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔ جب انسان استقامت کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے تو پھر کربلا سے وقت میں حسینؑ دین علی کرم اللہ وجہہ کی صفات کا مظہر بن کر دنیا کے سامنے عموماً ہوتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے افراد خانہ نے کربلا میں آخری ذمہ تک صرف استقامت ہی کا مظہر کیا آخر حق باطل کے سامنے بڑے سر کے میں اپنی کرامت کیوں نہیں دکھائی۔ کیا محاذ اللہ و مار زار دلی یا کرامت دکھانے کے قابل نہ تھے؟ اگر امام حسینؑ کوئی کرامت ظاہر بھی ہوئی تو وہ فتح معرکہ کربلا کے لیے نہیں بلکہ اپنی صداقت کے اظہار اور اتمام حجت کے لیے تھا۔ نمود ہائے متاخرین اور ان کے اہل بیتؑ صحابہؑ اور اہل بیتؑ سے ولایت اور باطنی کمالات میں زیادہ تو نہ تھے۔ ہمیں کرامت کے وجود سے انکار نہیں، ولایت اس کی دو رہا ضرور ہے نہ تعریف اور استعمال سے اختلاف ضرور ہے اور بالخصوص جب کرامت حسی کو کرامت معنوی یعنی علم پر فوقیت دی جاتی ہے تو حجت سے ضرور ہوتی ہے اگر کرامت کا مقام علم سے زیادہ ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ چراغ ہدایت امام باقرؑ سے جہاں علمی و تحقیقی کمالات جس کثرت سے ثابت ہیں وہاں کرامت کے ظہور کا پتہ ہی نہیں ملتا اور انہوں نے خود بھی اپنے ایسے کمال کو ظہور نمود کیا اللہ جہاں بھی ضرورت پڑی کرامت علم کا اظہار ہو چڑھ کر کیا۔ یہی حال امام باقرؑ، امام شافعیؒ، دار امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ انہوں نے اور ان جیسے بڑوں اور ائمہ وقت نے اپنے حریفوں کو محض اپنی علمی طاقت اور دلائل کی قوت سے شکست دی، آخر بڑے بڑے مناظر میں ہمارے ان آئمہ نے کوئی کرامت کیوں نہیں دکھائی اور پھر کرامت پر محمول کوئی دعویٰ کیوں نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ کرامت کا وہ ملبوم جو ہم عرف عام کے حوالے سے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں وہ درست نہیں۔ وہ نہ مذکور ہوا شیعیت کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا یہ لوگ کرامت دکھانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے یا پھر یہ لوگ مار زار دلی نہ تھے؟ شیخ مدنی نے اسی حقیقت کا اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں واضح فرمایا۔

کرامت جواں مردی و ناں وہی ست
مقالات ہے ہودہ طبل تہی ست
طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ شیعہ و سجادہ و اہل نیست

اسی طرح بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میر علی شاہ صاحب نے قادیانیت کا مہر کر حضرت کرامت سے سزا کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو میر صاحب گلارہ شریف میں بیٹھے بیٹھے مرزا کو اپنے سامنے حاضر کر لیتے اور کرامت کے زور پر اسے عظیم کفر یہ و دعائی کا ڈبہ سے تاب ہونے پر مجبور کر دیتے، مگر میر صاحب نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی دعوت پر لاہور شریف لے گئے اور علمی گفتگو اور دلائل کی روشنی میں احقاقیق و باطل باطل کرنا چاہا۔ آج کل اسی مناظرے کے حوالے سے ایک فقرہ خطیب حضرات بہت دہراتے رہتے ہیں میر صاحب نے فرمایا ”تم اپنا بیچ اور برص کے مریض کو گندہ مرست کر دینے کی بات کرتے ہو میرے سامنے اگر مراد بھی لاؤ تو میں اس مراد کو بھی زندہ کر دوں گا“ ازلہ تو حضرت صاحب نے یہ الفاظ یوں نہیں فرمائے ہوں گے کیونکہ دایۃ اللہ کہا آپ کے مشرب و حواج کے خلاف ہیں لیکن (علی و جہ التسلیم) اگر آپ نے فرمائے بھی ہوں تو وہ اپنی کسی کرامت یا کمال کے اظہار کی بجائے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر مجبور کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ اگر میں اس کے دین کی مخالفت کے لیے میدان میں نکلا ہوں تو وہ دینیٹا مجھے زخموں سے زخم مندہ نہیں کرے گا بلکہ میرے منہ سے نکلے کلمات کی لان کر گئے گا اور یہ بات بھی آپ نے مرزا کی چال بازیوں اور حیلہ سازیوں کے جواب میں کہی تاکہ وہ کسی طرح سامنے آئے اور اس سے علمی گفتگو کر سکے اس کا کذب پوری دنیا پر واضح کیا جاسکے۔ مسئلہ ختم نبوت چونکہ خدا تعالیٰ مسئلہ ہے اگر اسے بزدل کرامت مل کر کے کارواہ ہوتا تو آپ (حسین الہادیہ) اور سید چشتیانی جیسی معرکہ الاراء کتا ہیں تصنیف نہ فرماتے۔ ان کتابوں کی تصنیف پر آپ نے جس قدر محنت فرمائی اور قرآن و سنت

کے علاوہ جن جن علوم فنون کی کتابیں حوالہ جات کے لیے لکھا ہیں اور ایک عرصہ لگا یا تو کیا آپ نے یہ سب کچھ وہی ہی یا اتفاقاً ہی کر دیا۔ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ آپ نے یہ سب کچھ بہت سوچ بچھ کر کیا تھا اور اتنے کرامات سے زیادہ اپنی قوت علیہ کو قیادت دی۔ اگر بالعرض وہ اپنی کرامت کے زور پر مرزا کا دبانے کو چاہا سے مار دیتے تو مخالفین کے کہنے کہ میدان میں اترنے کی جرأت نہ تھی اسی لیے یہ یاد چاہر یا اختیار کیا۔ مگر میر صاحب نے اس موضوع پر دو ایسی کتابیں تصنیف فرمادیں جو آپ کی علمی کرامت کا منہ پورا ثبوت ہیں اور کرامت حسی کی حیثیت ان کے سامنے بچ ہے۔ قیامت تک ختم نبوت کے موضوع پر دلیج کرنے والے انہیں پڑھیں گے اور آنے والی ملیں آپ کی اس علمی کرامت سے حیات نو حاصل کرتی رہیں گی۔ کرامت حسی دینی اور عارضی چیز ہوتی ہے جس کی بھی شہادت سے مشتبہ کا زور محروم رہتا ہے اور جس کی عظمت کو قبول کرنے کے لیے ہزار ہا دوسے ذہن میں ختم لینے رہتے ہیں مگر سید چشتیانی اور (حسین الہادیہ) جیسی علمی کرامات لاغائی ہوتی ہیں، جنہیں ہر دور کا بیدار مغرور خود کو دیکھ رہا ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس وقت بھی محقق علماء وغیرہ جانبدار کاہر نے حضرت میر علی شاہ کی تعریف و توصیف آپ کی علمی و تحقیقی نگارشات و تصانیف کے حوالے سے ہی کی بلکہ کرامات و صفات کے دلداد پر زرگوں نے بھی اسی پہلو سے آپ کو سراہا۔ ”میر منیر“ کا یہ اقتباس اس سلسلے میں قابل مطالعہ ہے

حضرت کی یہ تصنیف یعنی سید چشتیانی اپنے نادار متداول، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ ربیہ بحث پر سوال و جواب کے سچے اہل واقع اور دشمنان اعزاء اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار مطبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت ذ قلوبہم انا قلنا العسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ۔ (سورہ نساء آیت نمبر 157) کے ذیل لکھتے ہیں

”اور حیات و موت جسے مولیٰ کی بحث میں کتاب سید چشتیانی قابل مطالعہ ہے“ اسی طرح ”یو

بند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ جنیتی علیہ السلام
مے دریاچہ میں سیب چشتیانی کو مسئلہ حیات مسک پر ایک بہترین اور کافی دانی تصنیف قرار دیا ہے
.... ہندوستان کے مشہور مفتی، عالم اور سیاست رام پور میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا فضل حق رام
پوری نے ایک سال اخیر شریف میں مدرسہ کے موعظ حضرت بابو میا محمد علی اعظمی (عالیہ رحمۃ) سے
حضرت قبلۃ عالم قدس سرہ العزیز کی تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”میں تو
حضرت کے کمالات بہت جان ہوتے ہیں لیکن میں تو اس دماغ کا شیدائی ہوں جس سے سینہ
چشتیانی عبور میں آئی“ (میرٹھ، صفحہ نمبر 251، 250، جلد اولہ شریف 1987ء)

اگر اس وصف عالی کو ”والفضل ما شہدت بہ الاعداء“ کے خاطر میں آپ حضرت میر
میرعلی شاہ کی علمی کرامت نہیں کیسے تو آخر اس کا اور کیا نام رکھیں گے؟

بہ ہرات حضرت عبداللہ انصاری جو حضرت ابوالخیر ب انصاری (میرزا رسول) کے پڑپوتے
ہیں اپنے اقوال میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ”اگر میر ہو اہری مجسمہ باشی، وگر ہو آب
روی خسبہ باشی، دل بدست آرتا کہسے باشی“ یعنی اگر ہو اب پروردگار کرامت آرتا ہے
تو میرزا دوسے زیادہ تو ایک کبھی ہوگا کیونکہ وہ بھی تو ازبیتی ہے اور اگر تو پانی پر چل لیتا ہے تو میری
مشیت جتنکے سے زیادہ نہیں کیوں کہ جتن بھی سطح پر تیر لیتا ہے۔ ہاں اگر تو نے کچھ بنائے تو کسی
انسان کا دل راہی کر، غلطی خدا کی دعا نہیں لے تاکہ تو انسانوں کے ذمے سے داخل ہو سکے۔ یاد
رہے کہ عبداللہ انصاری وہ شخصیت ہیں جنہیں مولانا جانی نے بہ ہرات کا لقب دیا اور ان کی تعریف
میں صحتہ دشمن کہے جو ان کے مزار پر آج بھی کندہ ہیں۔ حضرت بابو میا کے ساتھ جب میں ہرات
میں ان کے مزار پر حاضر ہوا تو میں نے وہ اشعار وہاں دیکھے تھے۔ عاودہ از سر ہے کہ قادی
عبارت میں صرف شیخ سعدی ان کے اسلوب تحریر کا تتبع کر سکتے چنانچہ گلستان سعدی کی واپس
عبارت اور جتنے جتنے حکمت آمیز جملے اس کی تین دلیل ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میر ہرات
نے بھی محض کرامات کو معیار بلندی و درجاء تسلیم نہیں کیا۔ لہذا عوام کے سامنے بزرگان دین کی

کرامات کے محض قصے بیان کرنے کے بجائے ان کی علمی خدمات اور فلاحیوں کا ذکر بھی ضروری ہے
۔ ایک پڑھا کھانا انسان اور میرزا کے اس دور میں سامنے لیتا، وہ ایک باشعور ذہن جس قدر علمی دلائل
سے قائل ہوتا یا ہوسکتا ہے وہ کرامات کے قصے کہانیاں سنانے سے نہیں ہوتا، کیوں کہ جس کرامت کا
ذکر کیا جا رہا ہے وہ اس نے کچھ خود دیکھی تھی نہیں کہ وہ اسے تسلیم کر سکے، بلکہ ایسے موقع پر آؤ خیال
لوگ کہہ دیا کرتے ہیں بھول حافظ۔

با خرابات نشینان ز کرامات ملاف

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارو

جبکہ کتاب اور علمی دلائل ایسے زندہ جاوید کرامات ہیں کہ قیامت تک آنے والا ہر معقول اور
ذہین انسان انہیں سمجھ لینے کے بعد اس شخصیت کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ یہی وجہ
ہے کہ جن درگاہوں میں داعیین اور خطباء زیادہ تر صاحب مزار کے کرامات بیان کرنے پر زور دیتے
ہیں اور ان کے پیش کردہ علمی نکات بطور درس و تدریس عوام کے سامنے نہیں لاتے یا لانے کی اہلیت
نہیں رکھتے، وہاں محفل میں آنے والے پڑھنے سمجھنے بغیر جاہلاد حضرات محض ہوتے ہوئے کہتے
ہیں اور دیکھنے ایوان پر گروں سے منسوب کرامات کے پلندے عوام کے سامنے اس لیے کھولتے ہیں
کہ چاہل عوام اس پر بہت زیادہ کچھ کر اس کے دیوانے بن جائیں۔ یہ خوشامدی خطیب بیروں کی
دکان میں پکانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک خطباء کا یہ عمل عوام اس کو پھانسنے اور
صرف بیروں کو سر کو توجہ دینے کا کھل ایک داؤ ہوتا ہے۔ اسی لیے جتنے النوع صوفیائے کرام کی
تعلیمات اور علمی خدمات کو زبردست لانا چاہئے۔ اسی لیے سید و مائتہ صحتہ نے حضور علیہ السلام
کے بارے میں ایک سوال پر فرمایا تھا ”تَمَنَّى خَلْقَهُ الْفَرَّانِ“ ”کہ آپ کے اخلاق عالیہ قرآن مجید
کی تفسیر تھے۔ یہی اس تمام اہل تشنہ نے حضور کے کسی پیغمبر کو بیان کرنے کے بجائے آپ کے اخلاق
عالیہ کا تذکرہ فرمایا، حالانکہ آپ کی ذات اقدس جانتا کجھڑات ہے۔ چونکہ عجزات کا ذکر انسانی

زعمی کی برادر است اثر انداز نہیں ہوتا، جس قدر آپ کے اخلاقی عالیہ اور طریحہ حیات اثر انداز ہو سکتے ہیں اس لیے حضرت عائشہؓ نے اخلاقی عالیہ کو ذکرِ تجربات پر توجہ دی اور آپ کی پوری حیات خلیہ کو قرآن کی عملی تفسیر فرمانے پر اکتفا کیا۔

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت گولڈوئی نے پھر یہ کیوں فرمایا تھا کہ جس کا قلم خود اُس کے لئے وہن ہے تو ہر کا اور یہ کیا ہے لوگ بھی انتہی سمجھ میں موجود ہیں کہ گران کے سامنے مرنے پر بھی پیش کیا جائے تو وہ اسے زندہ کر دکھائیں یہ بات تو حضرت گولڈوئی کے ہا کر امت ہونے میں کم از کم مجھے تو کوئی شک ہے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ حضرت گولڈوئی کے ہا کر امت ہونے میں کم از کم مجھے تو کوئی شک نہیں، میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ علم اور کرامت کے مابین فرقی مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ علم کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے حصول مال و دولت کے لیے حاصل کیا جائے یا بعض افسقوں سے بچنے کے لیے سیکھا جائے یا اپنی طبی برتری پر تعلق ظاہر کرنے کے لیے یا منظرہ بازی کے لیے پڑھا جائے، میں تو اُس علم کی بات کر رہا ہوں جو مجلسِ انصار اور اس کے رسول کے معین کی خدمت کے لیے حاصل کیا جائے اور پھر اُس علم کے مقاصد حصول کو سامنے نہ رکھتے ہوئے الفاظ کی دنیا سے جہاں مفتی میں بھی قدم رکھا جائے۔ ایسا علم اُس طالب علم کو عارفِ ذات و صفات بنا دیتا ہے اور جب عرفان الہی حاصل ہو جاتا ہے تو انسان کا قلب انوارِ الہی سے شعلہ آفتاب سے پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم کی زبان سے نکلا ہو ایک ایک لفظ حیرت پر ہدف ثابت ہوتا ہے اور اُس کے اندر تاخیر کی وہ دنیا نہیں ہوتی ہے کہ ساتیس قصص کہنتی ہیں۔ حال حال میں بدل جاتا ہے۔ الفاظ میں معانی دکھائی دینے لگتے ہیں یہ وہ منزل ہے کہ جہاں سکوت، گوئی کا کام دیتے لگتا ہے اور گویائی دلوں میں ایک کہرام مچا دیتی ہے جہاں مولانا روئی۔

علم را بر دل زنی یارے بود

علم را بر تن زنی مارے بود

شاہجہ میرے جدِ اعلیٰ حضرت ہی میری شاہدہ ایسے ہی علم کے وارث تھے۔ اُن کا علم بچائے خود ایک کرامت کے درجے پر فائز ہو چکا تھا۔ لیکن یہ کسی ایک ذات سے مخصوص نہیں، بلکہ جو بھی اس تجربہ گاہ سے گزرے، بشریکہ فضل ایزدی بھی اُس کے شامل حال ہوا تو وہ اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ جہاں تک حق و باطل کے معرکے کی بات ہے تو جب اللہ تعالیٰ حق کو کسی کے ہاتھ پر ثابت کرنا چاہتا ہے تو اُس کے ہر عرصے کو بھی سچا کر دکھاتا ہے۔ اسے بندے کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے تو کرامت کہا جا سکتا ہے مگر حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے، اس میں بندے کے ذہنی ارادے اور تصرف کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ حضرت گولڈوئی نے اسی اصل حقیقت کی طرف اشارہ خود بھی کر دیا ہے ”سمر خیر“ کے صفحہ 234 پر آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ ”میں نے دعوای از خود نہیں کیا تھا، بلکہ عالم کا مقصد میں جنابِ محمد کریم علیہ السلام کے جمالی باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کال تھا کہ اس سے بھی بڑا دعوای کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچ ثابت کرتے“۔ معلوم ہوا جب کرامت صادر ہو جائے مگر وہ غرور کر کے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اسے فضلِ باری تعالیٰ ہی قرار دیتا چاہئے، جیسا کہ دربارِ سلیمان میں اُس شخص نے کیے کی دیر میں تختہ بلیس حاضر کیا گیا، چاہے وہ کسی فرشتہ کا کام تھا، عالم کتاب ولی کا کارنامہ یا مذہبِ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ (جیسا کہ کتبِ تفسیر کے حوالہ سے تحریر کر دیا گیا ہے) حضرت سلیمانؑ نے تو فرمایا ہا ہذا من فضلِ ربی لیبلوینی ؕ اَشْكُرُ اَم اَكْفُرُ ۔ کہ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت۔ یہاں سلیمان علیہ السلام نے اس کمال کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنے لیے امتحان قرار دیا، حالانکہ یہ تیسرا نمونہ عظمت اور معجزہ انشان کے آگے ولایت و کرامت کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں، چہ جائیکہ کوئی ولی یا بطورِ معاشرت، کرامت ظاہر کرے یا پھر اُسے اپنی طرف منسوب کرنے کی جرأت کر سکے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرود آگے میں بیٹھ گیا تو حضرت ابراہیمؑ کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ خود آگ میں کود کر پھر آگ کو کھنڈا کر دیں اور دنیا کو یہ یاد کرانیں کہ میں صاحبِ معجزہ جھنڈیت ہوں

مگر جب سرود نے آگ میں جبرائیل کو دیا تو جبرائیل نے استقامت، خلوص اور رب تعالیٰ پر توکل کا عمل کے انجام میں اللہ تعالیٰ نے آگ کو گھڑا بنا دیا چنانچہ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

قُلْنَا يَبْنَازُ كُنُوزِي بِوَدَّاقِ سَلَمًا عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ - ترجمہ: اور ہم (اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے آگ ٹو ابراہیم کے لیے تنگ ہو جا اور اُس کی سلاخی کا باعث بن جا۔ چونکہ یہ کفر و ایمان شرک و توحید اور حق و باطل کا ایک عظیم معرکہ تھا اس لیے اس کی تمام درماری اسی ذات نے اپنے منہ لی، جس نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا نانا غمکہ ہو بھیجا تھا۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آگ سے یہ کیا۔ نہ یہ کہ حضرت ابراہیم نے اغوا دیا یہاں اس سے ثابت ہوا کہ عرف میں ہم اسے مجروحہ ابراہیمی تو کہہ سکتے ہیں، مگر قرآن مجید کی رو سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ظہور تھا۔ اسی طرف جہاں بھی قرآن مجید میں کسی نبی یا رسول نے کسی ایسی بات کو اپنی طرف منسوب کر کے کہا تو وہی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی قوت فرمایا، یعنی اس کا فعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ انبیاء و رسل نہ تھے بلکہ ابلیس و ابلیس ہی ہے، جب کسی حق بات کو ثابت کرنے کے لیے کمال یقین سے لوگ زبان سے کوئی دعویٰ صادر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرنے اور اپنے بندگان کو خاص کو دشمنوں کے زور و شرمندگی سے بچانے کی خاطر اُن کے دعوں کو کچا ثابت کر دکھاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے: لَوْ اَقْسَمْتُ عَلٰی اللّٰہِ لَا دَیْمَہَ مَا مُنْعِمٌ عَلٰی سَیِّئِہِ اور یہ منزل یقین علم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ خلاصہً یہ کہ آگ کا حضرت کوڑھوئی کی سب سے بڑی کرامت اس کا ظاہری علم تھا، جس سے عرب ہو کر مرزا دانی اُن کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا اور پھر اس موقع پر حضرت کوڑھوئی نے کوئی شئی کرامت پیش بھی نہیں کی بلکہ صرف اُس کا ذکر فرمایا۔ اس کے برعکس اپنی علمی کرامت اور دھمکی کے اُن کی حد۔ حسن الہادیہ اور سیفہ شیشیانی دیکھتے ہوئے آج بھی دیوانے مرزا تصدق رنورہ پرعام ہو جاتی ہے اور اُن کی اسی علمی کرامت اور دلائل و براہین کے غائبانہ دے سمندر کے سامنے مرزا تصدق کی ذوق ناقابلِ جرأت مزاحمت نہیں کر پاتی۔ لہذا جن

حضرات کا خیال ہے کہ بزرگ دین محض کرامت خشی کے سہارے دُشمن کو شکست دیتے ہیں، وہ شیعہ غلطی پر ہیں، اس لیے کہ کرامت خشی کرامت غائبہ کے سوا معرض و جہوں آبی نہیں سکتی اور پھر کرامت خشی اگر برصوفیہ کے نزدیک کوئی ایسا وصف بھی نہیں، جس کے سبب انسان پر دوسرے انسانوں کی نسبت فضیلت بخئی کا حکم لگایا جاسکے۔

انفرض مرزا نے قادریا نے قلم پیر صاحب گلاڑی کی کرامات، حنیہ کی شہرت، سن کر انہیں ماضی کے کاچھنچھن میں ڈھنسا، بلکہ ان کی صلی شہرت کے سبب انہیں میدانِ مقابلہ میں اترنے کی دعوت دی تھی، مگر جب دیکھا کہ وہ قوتِ مقابلے کے لیے لاؤ بیٹھ گئے ہیں اور پھر وہ صرف کسی خانقاہ کے خاوار میں اٹھیں، ایک ہی کچلا دو ٹھنسن بھی نہیں، بلکہ وہ قوتِ علومِ شرعیہ کے ایک عجمِ دھنکار میں تو اس نے فہم سے پہنچے کے لیے شہیدِ بازی پر محمول دعوے شروع کر دیے تاکہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کر دی جائے اور وہ (مرزا قادریا کی) کسی طور پر بھیڑ بھڑی شہادے کے ساتھ علیٰ محنت کر کے سے بچ سکے۔ یہ صاحب نے جواب میں جو کہہ کہا وہی کہہ کرنا مناسب تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے واقعے پر احقاقِ حق کے لیے ایک عام بندہ مومن کے دعوے کو بھی عملی شکل دے دیا کرتا ہے۔ یہ تو حضرت گلاڑی جیسے عالم و فاضل اور کیا نہ کاردار کسان کا معاملہ تھا۔ لہذا حضرت گلاڑی نے مرزا قادریا کے جواب میں اس دن جو دعوے فرمائے اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرنے کیلئے انہیں ضرور پورا فرماتا۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کرامات کا مقام علم سے کم ہے اور یہ کہ کرامات کے صدور کی بنیاد علم و تقویٰ کی ہے۔ علم کے بغیر جو شخص مخلص و لاییت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں ہرگز سچ نہیں بلکہ وہ جھٹ لگوں کو فریب دیتا ہے اور ایسے واعظ و خطیب حضرات جو فضیلتِ علم اور بزرگانِ دین کے علمی یا کرنامے بیان کرنے کے بجائے فقہ کرامات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں، وہ انسان کی طبعی اور انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چونکہ انسان طبعاً آج بے پسند واقع ہوا ہے اس لیے جب اس کے سامنے خلافِ عقل و عادت واقعات ذکر کئے جائیں تو انھیں ان واقعات کی نسبت جو عادت اور معمول کے مطابق ہوں ترجیح دیتے اور ان سے زیادہ وارثا لیتا ہے۔ کرامات کی دنیا برحق

کسی مگر عوام پر ان کا انداز پڑتا ہے اور وہ تعلیم و تقسیم اور درس و تدریس کو ترک کر دیتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات سے زیادہ سخی اور دوطائف خوانی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تاکہ وہ ولی بن کر بزرگوں کی طرح کرامتیں دکھاتے پھریں۔ جاہل ہونے کے سبب راستہ دن کی اور ادخوانی اور چلہ کشی انہیں وہی بنانے کے بجائے پاگل اور دیوانہ بنا دیتی ہے چنانچہ آنقریکس ہمارے سامنے آتے ہیں، پھر انہیں منہل پتھالوں میں زیر علاج رکھا جاتا ہے، حالانکہ مناسب حد تک اور ادخوانی چلہ کشی علم والوں کے لیے کوئی مضر چیز بھی نہیں، بلکہ مفید ہے مگر یہ ہم مدبرہ ولایت پر فائز ہونے کا شوق اکثر جاہلوں کو پاگل بنا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی علامت چوں کہ دوطائف اور ادخوانی اور چلہ و قافہ کشی ہوتی ہے اس لیے ہم قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے بجائے براہ راست اس مقام پر فائز ہو جائیں، جس کی بدولت ہم سے ضرورت کے وقت کرامات کا ظہور ہو سکے۔ عوام کا یہ اعتقاد فکر اور طرز عمل خلیہوں کی اُن تقاریر کا مروجہ ہونا ہے، جو اولیاء کے محض کرامات کا تذکرہ کر کے محض لوگوں کے دل کو خوش کرتے ہیں۔ ”مہر مین“ میں حضرت گولڈی کے ایک ایسے ہی جلد باز ہم درس مولوی سید احمد صاحب کا واقعہ درج ہے، جس کو ہم ”مہر مین“ ہی کے صفحہ 95 سے نقل کرتے ہیں۔

(ایک دفعہ سیال شریف میں حاضری پڑا آپ ”حضرت گولڈی“ کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی سید

احمد درویشوں میں مقیم ہیں، مگر نماز و غیرہ فراموش ترک کر چکے ہیں۔ حضرت نے ملاقات پر انہیں کہلایا۔ ”ہم نے سنا ہے کہ تم میں سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے اور صرف جوہیت باقی رہ گئی ہے۔“ اس نے کہا کہ میں آپ کو کبھی نصیحت کرتا ہوں کہ میری طرح تعلیم و تدریس ترک کر کے ذکر بھرا اختیار کریں، کیونکہ تعلیم و فہم میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سز دے فرمایا کہ حق تعالیٰ تمہاری اس ظاہری حالت کے ترک تعلیم و تعلیم سے اگر تم نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہے تو مجھے بخلاؤ تاکہ اسے دیکھ سکیں مگر میں تمہاری نصیحت پر غور کر سکوں۔ مجھے تم میں سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ کرامات ذکر کرنے کے باعث تمہیں قدرے رخصت نہیں تو

حاصل ہوئی، مگر اسے عرفان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جسے عرفان حاصل ہو جائے وہ اشتیاع نبوی ﷺ کا تارک ہرگز نہیں ہو سکتا)

قد تمین کرام اس مندرجہ بالا اقتباس کو بار بار پڑھیں، خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور پھر اس حقیقت کا کٹھول سے اعتراف کریں کہ جب آدمی تعلیم و تدریس اور پڑھنے پڑھانے کو ترک کر دیتا ہے تو اس میں سے انسانیت رخصت ہو جاتی ہے کیونکہ بھول شیخ سعدیؒ انسانیت کا کمال علم ہی کا مروجہ ہونا ہے۔

بنی آدم از علم یابد کمال

ند از حشمت و جاہ و مال و مثال

اور وہ محض حیوان ہو کر اسفل السافلین کے در سے پڑ جاتا ہے۔ نیز یا مگر ہی قابل غور ہے کہ ذکر جبر پر جو بحث تلمی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نام ہرگز ہرگز عرفان نہیں کیونکہ عرفان تو اشتیاع نبوی ﷺ ہی کا نام ہے اور نبی کریم ﷺ تمام عمر انشائاً بعثت معلقاً پر عمل فرماتے رہے، اور اپنے اس مصب جلیہ کے فرائض عظیمہ ادا فرماتے رہے، جس پر آپ کو قہر کر کے فرمایا گیا و یعلٰہم الکثب و الحجۃ آپ نے کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہوئے حیات طیبہ بسر فرمائی نہ کہ اپنے صحابہ کرام کو کرامات دکھانے کی مشق کراتے رہے۔

میرے دادا حضرت بابائیؒ کے سامنے جب کوئی ایسا کیس پیش ہوتا کہ قضا جاہل چلہ کش یاہل بن کر لوگوں کو کٹنگ کرنے لگ گیا ہے تو آپ نہایت غصے میں فرمایا کرتے تھے کہ تم اور ادخوانی اور چلہ کشی سے کیا فائدہ پاتے ہو یا دیکھو ان چیزوں کے لیے قیامت کی درنگی ضروری ہے اللہ تعالیٰ چلہ کشی اور درویشوں کے حال میں سمجھنے والا نہیں، وہ انسان کی نیت پر اپنا فیصلہ کرتا ہے اور ولا یت و متبویۃ کا تعاقب محض کسب و عمل سے نہیں، بلکہ یہ بازی سعادت جس کے حصے میں کوئی بھی اسی کو ملتی ہے، فضول بکریں مارنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ درست ہے کہ صوفیاء اور ادخوانی اور چلہ کشی بھی فرمایا

کرتے تھے بہرمان کی اساس علم شریعت تھا۔ جس کی بنا پر وہ ایک مخصوص مقام ولایت پر فائز ہو جاتے تھے۔ اگر علمائے کرام و خلباء حضرات اپنے مواقع و خطبات میں مقامات صوفیاء بیان کرتے ہوئے اصولی سمجھی اساسی حیثیت دیتے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی طرف عوام کو زیادہ راغب کرتے تو آج اور اخوانی اور چلہ کشی کے ہاتھوں لوگ پاگل بننے سے بچ جاتے۔

اس ساری بحث کا مقصد نہ تو وجود کرامت سے انکار ہے اور نہ ہی بزرگان دین کے کمال اور روحانی کی تردید، بلکہ اس جدید ترقیاتی دور میں روشن خیال طبقہ کو ایک پختہ عمل اور عملی لائحہ عمل پیش کرنا ہے، کیونکہ آج کے دور کا بڑا حالکا انسان حقے کہانوں پر کان دھرنے کے بجائے ایک عرصے حقیقت کا تلاشی ہے، اسی لیے جس قدر اعتراضات آج کشف و کرامات پر کئے جاتے ہیں، شاید ہی کبھی پہلے کئے گئے ہوں۔ اگرچہ کچھ اعتراضات ہنس مخالف و خصوصیت کی بناء پر بھی کئے جاتے ہیں، مگر مخالف کے ہر اعتراض کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے انہیں برتنا بھی قرین انصاف نہیں۔ اگر اس کا مسکت و مدلل جواب پاس نہ ہو تو پھر اسے تسلیم کرنا علمی دیانت ہے۔ فیہر مدلل اور بھونٹے جوابات و قبیح اعتراضات کو رازش نہیں کر سکتے لہذا دیانت داری کا تقاضا یہی ہے کہ مخالفین کے قبیح اعتراضات کا تو مسکت جواب دیا جائے یا پھر ان کے وارد کردہ اعتراضات کو درست قرار دیا جائے۔ ہمارے کارہیاء و مفتہاء اور صوفیاء کا یہی کلچن رہا۔ خدمتِ اُمم علیٰ تجویری لاہوری کی کتاب کشف المحجوب کے مطالعہ سے ایسے بے شمار حقائق سامنے آتے ہیں، آپ کا دور تقریباً تصوف کا ابتدائی دور ہے۔ آپ نے جو اعتراضات اپنے معاصر منصوفین پر وارد کئے۔ ان کو پڑھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ اگر فیض القرون قری کی حدیث سے قریب تر اودار کا یہ عالم تھا تو بعد کے اودار میں کس قدر بدعات مختلف عقائد و رسوم کی صورت میں اسلامی معاشرے میں داخل ہوئی ہوں گی۔ اگر آج کوئی ناقہ تصوف کے بعض معتقدات و رسوم پر اعتراض کرتا ہے تو یہ دیکھ کر اسے منکرین تصوف میں شرمیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایسے اور اس سے کہیں زیادہ قبیح اعتراضات خود صوفیائے کبار نے بھی صوفیاء پر کئے، جو نظم و سنو کی صورت میں ان کی تصانیف میں آج تک موجود

ہیں۔ آخر ان کو کس کما سے میں کہا جائے گا لہذا یہ کہنا کہ صوفیاء کے کسی قول، عمل یا ان کی ورگہ ہوں میں رواج یافتہ رسوم پر اعتراض کرنا صرف مخالفین کا طریقہ ہے، غلط فہمرا کیونکہ اعتراض کا مقصد صرف تذلیل ہی نہیں ہوا کرتا، بلکہ بعض اوقات صورت حال شرعی دلائل کی روشنی میں سمجھنا مطلوب ہوتا ہے، ایسی صورت میں معترض سے اعتراضات کا جواب مدلل اہماز اور شائبہ و لہجہ میں پیش کرنا چاہئے نہ کہ دودھ میں بازاری انداز میں۔ ہمارے ذی علم مشائخ سلف کا یہی شیورہ ہا اور ان کا یہ طرز عمل اذ ع اللہ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة کی تفسیر تھا لہذا بقول علامہ سیلاب۔

اپنے معیار محبت پہ نگاہ تنقید
نہیں معلوم یہ کس کس کی نظر سے گزرے

مخالفین تو یہاں تک بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب یہ سارا نظام حیات کرامات صوفیاء پر چل رہا ہے تو جس خالق نے یہ سب کچھ پیدا کیا اس کی قدرت کے ظہور کی علامت اور وقت کو کیسے سمجھیں کیا جائے گا کیونکہ مریدین اور عقیدت مندوں کے نزدیک ان کے احوال میں جو اچھے بُرے اثرات ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کے بیرون کی توجہ و عدم توجہ کے مبروں منت کئے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرامات کی اس بھیڑ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت دکھانے اور اپنی مخلوق پر اپنے تعریف کے اظہار کا وقت کب دیا جائے گا۔

اس سلسلہ پر بالا اعتراض کا مناسب اور قریں حقیقت جواب یہی ہے کہ ہمارے باکمال مشائخ سلف نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ ہمارے ماحول میں خیر و شر کا جو ظہور ہوتا ہے وہ ہماری توجہ یا عدم توجہ پر مشروط یا بدعیش کی بدلت ہوتا ہے۔ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے تو مشرک ہے بلکہ ہمارے باکمال مشائخ خیر و شر کے اس سارے ظہور کو الگ حقیقی کی قدرت کا طے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جاہل و احمقین اور خوشامد پند مریدین اگر اس سارے تکمیل کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرتے

ہیں تو یہ ان کا قصور ہے مثلاً کس سلف اس قید سے اور انداز فکر سے براہ کمال اظہار کرتے آئے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ خوشامدنی و عظیمین اور باہل عقیدت مندوں کے ان معنی پر جہالت عقائد نے پاکیزہ اور پاک نہاد دستاویز صوفیہ کو بھی گالبن کا نشانہ بنادیا ہے۔ حضرت جہان بیگ کا مصرع مع لفظ بقدرۃ المولوی مشہور ہے اس پر دلیل ہے کہ آپ نے نیت کے کاشے کی نسبت قدرت پاری تعالیٰ کی طرف فرمائی ہے یہ نہ کہ وہ میری قدرت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے یا یہ کہ میں صاحب کرامت و عزت ہوں یا پھر واقعہ حقیقت پتیس کے ضمن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ فرمانا، هذا من فضل ربی اسی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سب کچھ کرنے والا قادر مطلق اللہ ہی ہے البتہ بندوں پر وہ بھی کبھی اپنے فضل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

میں نے حضرت بابو کی کا پھر پور مجدد دیکھا ہے، چونکہ وہ میری تعلیم کا دور بھی تھا اس لیے فرصت ملنے پر ہی آپ کی باتیں سننے کا موقع ملا تھا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا ذہن ان کے ارشادات کی دولت سے خالی ہے بلکہ وہ آخر مقدار میں آپ کے ملفوظات کا وہ علمی ذخیرہ جو تو حید و رسالت، تصوف اور دیگر نئی و دینی موضوعات پر مشتمل ہے، اب تک میری قوت کے ساتھ میرے لوح ذہن پر نقش ہے، صرف اتنا فحش ضرور ہے کہ جو کلمات آپ کی معیت میں نہ گزر سکتے اور درپیکر کلامی کی تکمیل کی وجہ سے جن محاسن میں شریک اور جن مغزوں میں آپ کے ساتھ نہ جاسکا ان کا ہمیشہ فحش رہے گا۔
جنوبی شاعر۔

نالہ از بحر رہائی کند مرغ امیر

خورد افسوس زمانیکہ گرفتار نہ بود

بہر حال پھر بھی ان شاء اللہ اپنے تارنیں کو آپ کے ملفوظات کے سرمدی لطف سے محروم نہیں رکھوں گا۔ جو اب اکثر آپ کے ساتھ رہے اور جن کو مجھ سے زیادہ وقت آپ کی معیت میں گزارنے کا ملا کر کیا کم و خود کر لینے تو آج بات ہی کچھ اور ہوتی۔ میں نے بزرگ مستغنیین سے سنا

ہے کہ لالہ کرتی والے مٹی مہر از جم صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ماحول نے حضرت بابو کی قدر نہیں کی، صرف ساتھ وقت گزار لینے کو بہت کچھ سمجھا، مگر ان کی نگاہوں اور ان کی شخصیت کی قدر قرب ترین رہنے والے بھی نہ کر سکے مٹی صاحب کی اس بات سے مجھے سو فیصد اتفاق ہے آپ کے ملفوظات کی شکل میں جو چند چیزیں سامنے آئیں وہ بھی قیمت ہیں، مگر وہ بھی آپ کے ابتدائی دور کے مشاہدات ہیں، آخری دور کے ملفوظات و مشاہدات کا احصاء نہ ہو سکا۔

محترم مفتی گل رحمن صاحب، وزیر مہذبہ بدھنظم (لندن) میں رہتے ہیں، جب میرے حالیہ سفر لندن میں مجھ سے ملے تو حضرت دادا صاحب کی شخصیت پر گفتگو کے دوران کہنے لگے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے ولایت کی جامع تعریف پوچھی۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں میں بھی اسی مجلس میں حاضر تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ولایت کرامات دکھانے کا نام نہیں، یا وہ شخص ولی نہیں جو صرف کرامات دکھائے بلکہ ولایت، اللہ تعالیٰ کی ذات پر کھلی یقین رکھنے کا نام ہے کہ انسان ہر زاویہ فکر کے اعتبار سے اسی کی ذات کو مرکز و مقصد سمجھے جب انسان تو حید کے اس مقام عالی پر قائل ہو جا تا ہے تو اسے ولایت کا دور خود بخود مل جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے یہ بیان کر کے فرمایا کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت بابو کی نے ولایت کی کس قدر مختصر اور جامع تعریف فرمادی جو آج تک مجھ میں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھی۔ میں نے مفتی صاحب کی بات کو مزید تقویت دینے کے لیے گزارش کی کہ حضرت دادا صاحب نے ولایت کی جو تعریف فرمائی ہے وہ تو "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا اٰرٰثُنَا اللّٰهُ شَمِ اسْتَفْـَٔسُوا" کی تفسیر ہے۔ یہ سن کر مفتی صاحب مزید خوش ہوئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بر

حقیقت سے یقین رکھنا اور پھر اس پر اہتمام و اختیار رکھنے پر ہمارا ایک بندہ مومن کے کمال الایمان ہونے کی دلیل اٹھ ہے اور یہی ولایت ہے، مگر ہماری بدھنظمی دیکھنے کے ہم عوام کے سامنے وہ چیزیں بیان نہیں کرتے، جن کی تعلیم قرآن و سنت اور پھر خود صوفیاء نے دی، بلکہ صرف ان کے کشف و کرامات کے بیان کو کافی سمجھتے ہیں اور ان ماحول کا نمونہ کر نہیں کرتے جن کی بناء پر وہ ان مقامات کے قابل بنے۔ یہی وجہ ہے کہ آج خانقاہوں میں آنے والے سادہ لوح مسلمان عقائد کے لحاظ

اور مہارت کو معتقدین صوفیہ مجلس خائفین کی ہرزہ سرائی ہی کہیں گے مگر صرف خائفین پر چار لفظ بھیجنے سے اُن کے اعتراضات زائل نہیں ہو جاتے بلکہ مدعیان نسبت کو قرآن و سنت کے حوالے سے مسکت جواب پیش کرنا ہوں گے اور جن جن زاویوں سے خائفین نے اعتراض کیے ہیں اُن اُن زاویوں سے اُن کے صرف انفرادی جواب ہی نہیں، بلکہ تحقیقی جواب لکھنا ہوں گے۔

میں تو بحمد اللہ تعالیٰ مقبول اور فقیروں کا نیاز مند ہوں، اس کے باوجود بھی مجھے اُن کا مخالف سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ وہ بھی صرف اس بنا پر کہ میں کا پیر اولیاء کے مظاہرہ اور تعلیمات کی تشریح کرتا اور اُن کو اپنانے کی تاکید کرتا ہوں اور اُن کی علمی و جاہل اور دنیاوی فضیلت کو اُن کی طرف منسوب کرنا ہر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کرامت یا کشف کا منکر ہوں۔ البتہ صرف اتنا کہتا ہوں کہ جو صوفیائے سلف کی تعلیمات کو چھوڑ کر کھڑی انگی طرف منسوب کشف و کرامت کی داستانوں کو دین کا زکین اعظم اور ایمان کا نغہ و اہم سمجھتے ہیں وہ میدان میں غلطیوں اور صرف تقریری طور پر نہیں بلکہ تحریری طور پر خائفین کے اعتراضات کا منسک اور غصوں جواب دیں، بالخصوص غلام احمد پر دین کی کتاب "تصوف کی حقیقت" کو ذرا غور سے پڑھیں اور پادری ہاڑی اور تعصب کی ٹینک اتار کر اُس کے مندرجات اور دلائل کو ملاحظہ کریں اور پھر اُس کے وارد کردہ اعتراضات کا شعور اور مستند جواب بھی تحریر کریں تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ معتقدین صوفیہ مجلس خائفین حقیقت کے مالک نہیں بلکہ علمی زبان میں دلائل قلعہ بند کے زور سے خائفین کو دھمکان چکے ہیں جواب دینے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اہل سنت، عقائد اولیاء و اولیاء کو کھاتے ہیں اور اُن کے خلاف اُن کے مسلک کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر سکتے لیکن یہ سارا زور راہوں کی تبدیلی پر صرف کیا جاتا ہے اور جو لوگ اس پورے نظام کو ایک افراد شہید ہاڑی اور کاندھاری کا نام دیتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں اُن کو مدلل جواب دیتے وقت انہیں ساپ نہ کھجنا پاتا ہے۔

میں نے اپنی رہائشیات کی کتاب "رنگ کلام" میں جو مطالب بیان کیے وہ میرے نزدیک قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق تھے مگر یہ راولوگوں نے اُس کے خلاف ایک خوفناک برپا کئے

رکھنا، مگر میری ایک رہائی کا کوئی منسک اور مبنی بردلائل جواب دے سکے بعض اوقات میں ایسے سوالات کر دیتا ہوں، جو ہمارے احوال میں ایک کلام مجاہدیت ہیں، دراصل اُن سوالات سے میرا مقصد صوفیاء کی تبدیلی و حقیر ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ خائفین صوفیاء اور مدعیان تصوف کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کا خدشہ ہوتا ہے مگر میرے بعض کرم فرما سے میرا ذاتی نقطہ نظر اور مسلک قرار دیتے ہوئے مجھے پرے ہر دور کی کافوری داغ دیتے ہیں۔ بحمد اللہ میرا دل غلطیوں سے دور میں دین فروش ملکاؤں اور نام نہاد مصلوبوں کے فٹوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ صرف دکھ یہ ہوتا ہے کہ آج ہمارے اسلاف کو جن زہریلے تھیرے بٹے تنقید کا ہدف بنایا جا رہا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا صوفیائے سلف ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ اس سارے کیسے کرانے کے فتنہ دار اور جہاد ہم اُن کے نام نہاد عقیدت مند ہیں، جو اُن کی مخالفت پر قیامت تو چا کر دیا کرتے ہیں مگر خائفین کو کوئی دھمکان چکن اور مدلل جواب دے سکنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ غلام احمد پر دین کے تمام مندرجات سے میں قطعاً متعلق نہیں لیکن اپنی بات ضرور ہے کہ اُس کے اُٹھانے ہوئے اکثر ایسے سوالات میری نظر میں ہیں جن کا قرآن و سنت کے حوالے سے مدلل جواب وقت کی اہم ضرورت اور بزرگان دین سے تعلق نہیں لیکن اُن کا سین تقاضا ہے۔ لہذا میں اولیاء کرام کی تعلیمات و دعات کے بجائے صرف اُن کے کرامات کو اہمیت دینے اور ذکر کرنے والے قطبہ و مشائخ اور علماء سے گزارش کروں گا کہ خدا را وہ اپنے بہت ہی قیمتی وقت سے کچھ وقت نکال کر کم از کم پر دین صاحب کی کتاب "تصوف کی حقیقت" ہی کا قرآن و سنت کی روشنی میں مدلل جواب کتابی صورت میں اُن کے سامنے پیش کریں، کیونکہ اس کتاب میں تمام مسائل کے صوفیاء کے کرامات کشف وغیرہ کا خوب آپریشن کیا گیا ہے۔ آج تمام سلاسل کے مشائخ کا یہ فرض صمیم بنتا ہے کہ وہ اپنے باکمال اسلاف کے نام پر ملنے والی عزتوں اور بزرگوں پر ہی اتکا نہ کریں، بلکہ اپنے خائفین کو یہ بات قرآن و سنت کے ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کر کے بتائیں کہ تصوف مجلس اہل کرامت میں بذریعہ کشف و کرامات نقب زنی کر کے داخل ہونے کا نام نہیں، بلکہ قرآن و سنت کے مستند احوال سے

اس کی حقیقت یوں نہیں، یوں ہے۔ قرآن کریم اور اکابر صوفیاء کی تعلیمات کی روشنی میں مسائل و معاملات کو زیر بحث لانا کوئی گناہ نہیں۔ میں نے بھی تو سب کی طرح یہی کچھ کیا اور کرتا ہوں، پھر آخر صرف بھی پر اعتراض کیوں؟ بقول شاعر۔

یہی کہا تھا، مری آنکھ دیکھ سکتی ہے
تو مجھ پہ ٹوٹ پڑا سارا شہر ناپید

☆☆☆☆☆☆



تصانیف نصیر

- 1- لفظ اللہ کی حقیقت (مخاطبانِ ملاحق کے لیے سامانِ تحقیق) مطبوعہ
- 2- قرآن مجید کے آداب تلاوت (قرآن مجید کی رعت و حکمت و خوب دلائل میں جاگزیں کرنے والا رسالہ) مطبوعہ
- 3- موازنہ علم و کرامت (مقامِ ملک نے دلوں کے لیے تازیانہِ مہرت) مطبوعہ
- 4- اعانت و استغاثہ کی شرعی حیثیت (انسان کو جسے دروازہِ شریک کے لیے دلائلِ قاطعہ) مطبوعہ
- 5- نام و نسب (سیارہِ نبوت پاکؐ کے حقیقی ثبوت، نگاہِ سیدہ کی شرعی حیثیت اور حیدر و خوارج کے حکم کا تکنیکی جائزہ) مطبوعہ
- 6- حضرت یونسؑ کی قصہ سیرت اور تعلیمات (ایک ایمان افروز اور شریک سوز مقالہ) مطبوعہ
- 7- راہِ رسم منزلِ ہا (تہذیب اور مصری مسائل پر سیرِ ماحلِ بحث) مطبوعہ
- 8- امامِ مہدیؑ اور ان کا طرزِ استدلال (امامِ ملائکہؑ کے علمی و فنی نظامِ ہرج و مرج کا بیان) زیرِ طبع
- 9- کیا شخصِ عالم تھا؟ (اربابِ علم و اصحابِ تحقیق کے لیے نظامِ سہولیات) مطبوعہ
- 10- اسلام میں شاعری کی حیثیت (ایک انوکھا اور اچھوتہ تحقیقی مقالہ) مطبوعہ
- 11- رنگِ نظام (قرآن و حدیث کی روشنی میں اردو مجموعہٴ زیارات) مطبوعہ
- 12- دینی ہدایت (عربی فارسی اردو اور پنجابی فقہیں) مطبوعہ
- 13- فیضِ نبوت (عربی فارسی اردو اور پنجابی میں مناقب) مطبوعہ
- 14- آغوشِ رحمت (فارسی زیارات) مطبوعہ
- 15- بیانِ شب (اردو زیارات کا پہلا مجموعہ) مطبوعہ
- 16- دستِ نگر (اردو زیارات کا دوسرا مجموعہ) مطبوعہ
- 17- عربی ناز (فارسی اردو و پنجابی و عربی میں اشعارِ شریک کی کلام) مطبوعہ
- 18- لکھنے والے کی اذکارِ رب (حضرت یونسؑ کی سیرت کے کتابوں کے ساتھ پریشی ہمارے) مطبوعہ